عصر حاضر، فروعی تنازعات اور علماء

حافظ محمد آصف عبدالباقی

اسلام کے اساسی اوصاف جمیلہ اور خصائل حمیدہ میں سے یہ ایک بنیادی خصوصیت ہے کہ اس کے احکام وقوانین حیات انسانی کے جملہ پہلوؤں کا بطریق احسن احاطہ کرتے ہیں۔ انسانی زندگی کی کوئی جہت بھی ایسی نہیں خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی جس کا شریعت اسلامیہ میں تذکرہ موجود نہ ہو۔ علوم اسلامیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، اور تاریخ وغیرہ پر انضباط تحریر میں آنے والی انگنت کتب اس حقیقت کا واضح وصریح ثبوت ہیں۔ اسلام کا اسلوب بیاں منفرد، انداز تکلم جدا، طرز بشارت نرالا، طور وعید یگانہ، کلام پاکیزہ، استعارہ نفیس، کنایہ لطیف، ضابطہ بے مثل، قانون لازوال اور مجموعۂ احکام فقید المثال ہے۔ اسلامی شریعت کا تمام امور بشریت پر محیط ہونا، اس کی واقعتاً ایسی عظمت وشان ہے کہ دنیا میں پائے جانے والے دیگر ادیان و مذاہب اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں یہی وجہ ہے کہ مکمل تحقیق و یقین کے بعد قبولیت اسلام کی سعادت سے مشرف ہونے والے افراد بجا طور پر اس کی جامعیت کے معترف ہوتے ہیں۔

اسلام کی اس عظیم خصوصیت ہی کی بدولت قرون اولیٰ کے صحرانشیں باسیوں نے روم اور ایران کی ناقابل شکست آہن پوش افواج کو ہزیمت سے دوچار کر کے اپنے سامنے سرنگوں کیا اور دنیا کو سیادت وقیادت اور رعایا پروری کے نئے اسالیب سے آشنا کیا۔ مدت مدید تک بحروبر کی وسعتوں پر اہل اسلام کا پرچم لہراتا رہا، طویل عرصے تک دنیا مسلمان مفکرین کے ذہین سے سوچتی اور قلم سے لکھتی رہی کہ بغداد و دمشق اور غرناطہ و قرطبہ کی علمی فضاء میں جنم لینے والے بوعلی سینا، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، ابوبکر رازی، یعقوب الکندی اور ابو ریحان البیرونی وغیرہ اس وقت کی تہذیب واقدار کے امام ورہنما تھے۔ اس قابل فخر عظمت کے باوجود یہ ایک الم ناک اور تاسف انگیز حقیقت ہے کہ آج اقوام عالم میں اہل اسلام کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی۔ وہ اقتدار وغلبہ اور سطوت واستیلاء جو کبھی تاریخ اسلام کے سنہرے ابواب میں شمار کیا جاتا تھا۔ آج قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ جن کی تیغ بے نیام کی دہشت وہیبت سے عالم کفر کے ایوان لرزتے اور قصور (Palaces) تھرتھراتے تھے۔ آج اپنے دفاع کا جائز حق بھی کھو چکے ہیں۔ کشمیر اور فلسطین میں ہنود و یہود کی استعماری اور توسیع پسندانہ ذہنیت کے زیر اثر ہونے والا مسلمانوں کا بہیمانہ و وحشیانہ قتل عام اس کی ایک بدترین مثال ہے۔ حالانکہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ خاص طور پر قبلہ اول کا تحفظ مجرد فلسطینی مسلمانوں ہی کا داخلی مسئلہ نہیں بلکہ پوری اسلامی دنیا کا اجتماعی معاملہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود پورے عالم اسلام پر بے حسی وغفلت اور نکبت وفلاکت کی گھمبیر تہہ نے اپنی چادر تان رکھی ہے۔ چنانچہ اس اجتماعی نااتفاقی اور عدم مشارکت ہی کا شاخسانہ ہے کہ پہلے ''برہنہ تہذیب'' کے امن پسند علمبردار انکل سام نے اپنے مفاد پرست اتحادیوں کے جلو میں افغانستان کو تاخت وتاراج کیا پھر عراق پر آتش وآہن اور گولہ بارود کی مسلسل بارش سے بصرہ، موصل اور ناصریہ د بغداد کو تہہ وتیغ کیا اور اب دم مسلم کو شیر مادر کی طرح حلال سمجھنے والا یہ خون آشام عفریت اور وحشی درندہ شام پر حملہ آور ہونے کیلئے پر تول رہا ہے۔

ایک طرف تو یہ حال ہے کہ کشمیر فلسطین، چیچنیا، افغانستان اور عراق میں انسانی حقوق کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں۔ معصوم بچوں کے جسم نوچے اور آرزوئیں پامال کی جارہی ہیں۔ قیمتی املاک کو تباہ اور پرشکوہ عمارتوں کو زمین بوس کیا جارہا ہے۔ اخلاقی معاشرتی برائیوں کے ضمن میں بحیثیت مجموعی پورے عالم اسلام میں سودی لین دین عام ہے، معیشت کے اکثر امور ومعاملات غیر اسلامی اصول وقوانین پر مشتمل ہیں۔ عریانی وفحاشی کے ذریعے بدکاری کا بازار گرم ہے۔ مرد کے مرد کے ساتھ اور عورت کے عورت کے ساتھ تزوج (Matrimony) کو انسانی حقوق میں شامل کیا جارہا ہے۔ فکری الحاد اور نظریاتی کج روی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ مسلمان حلال وحرام کی تمیز کھو چکے ہیں۔

دوسری جانب علماء کی اکثریت امت مسلمہ کی موجودہ درماندگی وزبوں حالی کا تدارک کرنے، شریعت اسلامیہ کو اجتماعی سطح پر نافذ کرنے اور اسلام کی حقانیت پر ہونے والے متنوع قسم کے نظریاتی حملوں کا توڑ کرنے کے بجائے رفع الیدین، فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہ جیسے فروعی مباحث میں مشغول ہے۔ پوری مملکت اسلامیہ اس بے وقعت ''راگنی'' میں اس حد تک منہمک ہے کہ اپنے اصل فرائض کو بھول چکی ہے۔ چنانچہ

مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جو لوگ دین سے بیزار عمل سے متنفر اور احکام سے برگشتہ ہوتے ہیں۔ عمومی طور پر وہی ان تنازعات کو باعث نزاع اور وجہ مناقشہ بناتے ہیں۔ امام اوزاعیؒ کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ جس قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس میں بحث و جدل عام ہو جاتا ہے۔ اور عمل کا جوش و ولولہ جاتا رہتا ہے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، ص 185)

ہم کہتے ہیں کہ اختلاف رائے اگر مہر و وفا اور صدق وصفا کے جذبات کے ساتھ ہو تو کوئی ایسی مذموم شے نہیں کیونکہ مختلف اذہان کے حامل افراد کے مابین مکمل اشتراک رائے ایک ناممکن الحصول خواہش ہے اصل مسئلہ باہمی نفرت و عداوت اور بغض وعناد کا ہے۔ فقہی امور میں اختلاف تو صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان بھی موجود تھا۔ لیکن ان کی حالت وہ نہیں تھی جو آج ہماری ہے۔ بہر حال یہ ذکر تو برسبیل تذکرہ نوک قلم سے صفحہ قرطاس پر منتقل ہو گیا وگرنہ ہمارا مقصود اس حقیقت کی توضیح ہے کہ حالات کے مطابق طرز زندگی اختیار کرنا ہی دانشمند اقوام اور فہمیدہ عوام کا شعار ہے، کیفیات زمانہ رعایت کے بغیر ہر دور میں ایک ہی مسئلے پر بحث کرتے رہنا اور چھوٹی چھوٹی بات کو ہوا بنا کر ہمیشہ معاندانہ رویہ اپنائے رکھنا اہل دانش و بینش کا شیوہ نہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے قابل صد احترام ائمہ عظام اور فقہائے کرامؒ جس زمانے میں ان مسائل پر بحث فرمایا کرتے تھے وہ اسلام کے بھر پور اقتدار اور غلبے کا دور تھا۔ جبکہ آج اس کی مثال تو درکنار، عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ اہل بصیرت کی رمز شناس نگاہوں میں ابھی وہ منظر محفوظ ہو گا کہ جب امریکہ نے حکومت پاکستان کے اشتراک و تعاون کے ساتھ افغانستان پر حملہ کیا تھا۔ تو تقریباً تمام ''باحمیت اور حساس'' دینی جماعتوں نے متحد ہو کر حکومت کے اس مذموم اقدام کے خلاف پرزور صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ لیکن جب چند ہی ماہ بعد بھارت نے اپنی افواج کو پاکستان سے ملحقہ سرحدوں پر جمع کرنا شروع کر دیا تو انہی تنظیموں نے صدر پاکستان کو فوج کے شانہ بشانہ اپنے مکمل تعاون کی یقین دہانی کروائی تھی حالانکہ مسئلہ افغانستان پر حکومت سے انکی چپقلش اور ناچاقی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ لیکن یہ حالات کی سنگینی اور کیفیات کا تفاوت تھا کہ جس نے وقت کے پیش نظر انھیں اپنا طرز عمل بدلنے پر مجبور کیا۔ ہو بہو یہی کیفیت فروعی مسائل کی بھی ہے۔ حالات کی زد میں آئی ہوئی امت مسلمہ کی شکستہ حال و درماندہ ناؤ تباہی کے قریب آن لگی ہے۔ ہم علمائے کرام کی خدمت میں بصد ادب واحترام مکمل دردِ دل کے ساتھ درخواست کرتے ہیں کہ خدارا عالم اسلام کی موجودہ بے کسی و ناچاری پر رحم کریں۔ اور ان مسائل کو ہوا نہ دیں جو عصر حاضر میں ضمنی حیثیت کے حامل ہیں۔ قلم آمادہ تقریر مستعد اور قلب بیدار ہو تو کتنے چیلنج ہیں جو عرصہ دراز سے علمائے کرام کما حقہٗ توجہ کے منتظر ہیں۔ شرک و بدعت، مسئلہ انکار حدیث، عریانی و فحاشی اور سود وغیرہ۔ کتنے امور ہیں جنہوں نے عرصے سے ملت اسلامیہ کو آزمائش میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اہل علم وقلم ان موزوں موضوعات پر اپنی تحریروں کو ترتیب دیں اور استعداد کو ابھاریں شاید یہی طرز عمل شب یلدا (گہری سیاہ رات) میں محو سفر ان سارہ بانوں کی راہنمائی کر سکے جو ابتدائے سفر ہی میں اپنے تابندہ ستاروں کا سراغ کھو چکے تھے

مجھے اور زندگی دے کہ ہے داستان ادھوری
میری موت سے نہ ہو گی میرے غم کی ترجمانی

بقیہ: ماں کی عظمت

جس میں خوبصورتی نمایاں ہوتی ہے۔ بیٹے نے کہا کہ ماں ممتا کی انمول داستان ہے جو ہر دل پر قربان ہے۔ مصنف نے کہا ماں وہ ہستی ہے جس کی تعریف کیلئے دنیا میں الفاظ نہیں ملتے۔ دعا نے کہا کہ ماں وہ شخصیت ہے جو ہر وقت اپنی اولاد کی خوشی کیلئے دعا مانگتی ہے۔ ماں ایک دعا ہے جو سدا سر پرتی رہتی ہے۔ ماں ایک آہ ہے جو سیدھی عرش پر جاتی ہے۔ دنیا میں سے زیادہ خوش نصیب وہ ہے جس نے زیادہ سے زیادہ ماں کی خدمت کی۔ ماں سے بڑھ کر کوئی رحمت نہیں۔ ماں ایک ایسی شفقت ہے جو کبھی تہی دامن نہیں ہوتی۔ ماں قسمت بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ماں اپنے بچے کی پرورش کیلئے اور اس کی زندگی کیلئے نہ تو اپنی نیند کو اپنی نیند سمجھتی ہے اور نہ دکھ کو دکھ۔ وہ خود تکلیفیں اور مصائب برداشت کرتی ہے۔ لیکن اپنی اولاد کی بہتری کیلئے اپنا غم اپنا دکھ درد اپنی تکلیف سب کچھ بھول جاتی ہے۔ اولاد اپنی ماں کے حقوق کی ادائیگی کی خاطر کتنے ہی سخت اور مشقت والے کام کیوں نہ کرے۔ وہ اس کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ ماں کی اطاعت اور خدمت اتنا عظیم کام اور بابرکت کام ہے کہ اس کی بدولت کئی گناہوں کا کفارہ ہو سکتا ہے۔ باپ کا غصہ اور ماں کا پیار مشہور ہے۔ ایک ماں میں یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں۔ فراخدلی، انسانیت سے پیار دوسروں کی کوتاہیوں کو نظر انداز کر دینے کی روش، سادگی، انکساری مشکلوں پر قابو پانا سب نعمتیں ماں کی شفقت میں ہوتی ہیں۔ سخت سے سخت دل کو ماں کی پرنم آنکھوں سے موم کیا جاتا ہے۔ اللہ سے دعا کریں۔ اللہ ہم کو اپنے ماں اور باپ کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین